حارث حمزہ لون،
لکچرار شعبہ اُردو، کرگل

فکرِ اقبال میں عظمتِ آدمیت

(فارسی شاعری کے حوالے سے)

آدمیت احترام آدمی باخبر شو از مقام آدمی

علامہ اقبال۔۔ایک عظیم فلسفی شاعر، ادیب اور دانشور کے علاوہ عصر حاضر کے ایک روشن خیال مفکر ملت بھی ہیں۔ بیسویں صدی میں یقیناً آپ کے انقلابی فکر وفلسفہ سے عالم انسانیت کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص ایک نیا جذبہ اور ولولہ ملا جسکی ضیاء پاشیوں سے عصر حاضر میں بھی تمام انسانیت بلا لحاظ مذہب وملت روشنی حاصل کرتی جا رہی ہے۔ اس کثیر الجہت عبقری شخصیت نے اپنی فکر کی راہیں اسلامی اور مغربی، قدیم وجدید فلسفے کے گہرے ناقدانہ اور تجزیاتی مطالعے کے بعد متعین کیں۔ وہ نہ تو عصری مغربی سائنسی پیش رفت سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی روایتی مشرقی فکر کو آنکھیں بند کر کے قبول کر بیٹھے بلکہ حکمت کی بات مومن کی متاعِ گم شدہ کے تحت مشرق ومغرب کے تمام سر چشموں سے سیرابی حاصل کر کے ہر طرف علم وحکمت کے جو ہر پارے جمع کرنے کے بعد بنی نوع

Scanned with CamScanner

انسان کو اپنے مخصوص فکر و فلسفے سے روشناس کراتے ہوئے ببانگ دہل یہ اعتراف کرتے رہے کہ

خرد افزود مرا درسِ حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

انسانوں کے تئیں بھلائی کرنے، بھلائی سوچنے اور شفیق و ہمدرد ہونے کا نام انسانیت، انسان دوستی یا احترام آدمیت ہے۔ انگریزی میں اس کا مفہوم ہیومنزم(Humanism) سے ادا کیا جاتا ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

Humanism: A system of thought concerned with human affair and ethics (not-theology) promotion of human welfare.

Collins Cobuild Dictionary Great Britain 1977 میں انسان دوستی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

Humanism: It is a philosophy that believes in mankind's abality to achieve happines and fulfilment without the need of religion.

انسانی مسائل کو اس کے اسباب جان کر حل کرنا مذہبی اعتقادات سے زیادہ اہم ہے یہی انسان دوستی کا فلسفہ ہے۔ مزید یہ کہ انسان کی بنیادی فطرت اچھائی ہے، وہ خیر کو پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ فطری طور پر بشر دوست ہے چنانچہ اقبال کے زیادہ تر موضوعات بھی انسانی زندگی سے ہی سروکار

Scanned with CamScanner

رکھتے ہیں۔ خواہ اسرارِ خودی ہو، رموزِ بے خودی ہو، مردِ مومن ہو، عشق ہو، عقل ہو، مذہب ہو، ملوکیت ہو، اشتراکیت ہو یا احترامِ آدمیت و انسان دوستی، سب انسانی زندگی کے مسائل کا احاطہ کرتے ہیں اور اس کے بارے میں ایک نظریہ و لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ ایسا اس لیے بقولِ مجنوں گورکھپوری:

''اقبال اردو کا پہلا شاعر ہے جو مفکر بھی ہے اور صاحب پیغام بھی۔۔۔ اور اردو شاعری میں اقبال پہلی ہستی ہیں جن کو صحیح معنی میں مفکر کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان کی شاعری کی بنیاد ایک خاص نظامِ فکر یعنی Ideology پر ہے۔ ان خیالات میں ترتیب و تسلسل اور استدلال و نتیجہ نظر آتا ہے''

(مجنون گورکھپوری، اقبال کا اجمالی تبصرہ، اقبال مذاکرے کے چند مقالات۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی ۱۹۷۷، صفحہ ۵۹)

اقبال کی ہمہ جہت شخصیت اور فکری وسعت کا یہ عالم تھا کہ وہ تہذیب کی اصل 'احترامِ آدمی' کو قرار دیتے ہیں۔ اُن کا نظامِ فکر مُتعدد تخلیقی و تکوینی مسائل کے مضمرات و امکانات کا متحمل ہے۔ خدا، کائنات اور انسان کی حقیقت و حیثیت اور ان سے نہایت گہرائی کے ساتھ جڑے انسلاکات و تعلقات پر فکرِ اقبال میں بے شمار اماکن و مقامات نظر آتے ہیں۔ انسان کی ذات فکرِ اقبال کا وہ مرکزی نقطہ ہے، جس کے گرد ان کے جملہ افکار گردش کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن حکیم نے انسان کو خلیفتہ اللہ کے لقب سے یاد کیا ہے اور امانتِ الٰہی کا حامل قرار دیکر عظمتِ آدم پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے

Scanned with CamScan

تخلیقِ آدم کے ساتھ ہی جو انبیا و رسل زمین کے مختلف خطوں اور قوموں میں مبعوث فرمائے، ان کا بنیادی دعوتی کام بھی انسان سازی ہی تھا۔

ازگل خود آدمے تعمیر کن

آدمے را عالمے تعمیر کن

اقبال کی وفات کے بعد ترقی پسند انسان ہمارے سامنے آتا ہے، جو باعمل اور پُر زور تو ہے مگر اخلاق و مذہب کا منکر اور روحانی دنیا کا مخالف ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انسان کے اندر حقیقی دنیا فقط پیٹ کی دنیا ہے۔ اقبال نے اپنے زمانے تک کے سب تصورات کے ادھورے پن کا احساس کرتے ہوئے ہمیں ایک نئے آدم یا نئے انسان کا تصور دیا جو مغربی معاشرے کی ابتری کا علاج بھی کرسکتا ہے اور اپنی آرزوؤں کی ایک دنیائے نو تعمیر کرسکتا ہے۔

عروج آدم خاکی کے منتظر ہیں تمام

یہ کہکشاں، یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک

درحقیقت انسان کی عظمت و رفعت کے نغمے اقبال اس لیے گنگناتا ہے کیونکہ اسے انسان اور انسانیت سے بے پناہ محبت، ہمدردی اور وابستگی ہے، چنانچہ اقبال کے خیال میں کسی تہذیب و ثقافت کا ارفع ترین معیار یہ ہے کہ اس میں انسانی فضیلت کو تسلیم کیا جائے۔ اقبال کے نزدیک فرد جماعت کے ارتقا کا وسیلہ نہیں، بلکہ مطلوب و مقصود ہے۔

Scanned with CamScanner

آدمیت احترامِ آدمی باخبر شو از مقامِ آدمی

بر ترا از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

فرد کی تعمیر و تشکیل ہی ایک قوم کی تعمیر و تشکیل کا دوسرا نام ہے۔ اقبال انسان کی تخلیق و تولید کو خاکِ جہاں میں ایک خونین جگر، صاحب نظر، خود گر، خود شکن، خودنگر، پردہ در، جہانِ دیگر اور دونوں جہانوں کو حیات بخشنے والا کے لفظوں میں یاد کرتے ہوئے پیامِ مشرق میں ایک نظم ''میلادِ آدم'' کے عنوان سے تحریر کر چکے ہیں ؎

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شُد

خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل
خدا اے پرد گیاں، پردہ درے پیدا شد

آرزو بے خبر از ویش بہ آغوشِ حیات
چشم واکرد و جہانِ دگرے پیدا شد

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر ماازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

Scanned with CamScanner

ان اشعار کا مفہوم ڈاکٹر یوسف حسین خان نے ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

''جس وقت انسانی شخصیت اور شعور وجود میں آیا، تو کائنات میں ہنگامہ مچ گیا۔ شبستانِ ازل کا سکون، عشق وشوق کے نعروں سے گونج اٹھا حسن تھرایا، فطرت حیرت واستعجاب میں ڈوب گئی۔ تمنا نے آغوشِ حیات میں نیم خوابی کی حالت میں کروٹ بدلی اور زندگی نے نئی دلہن کی طرح اپنے رخِ زیبا پر سے لجاتے اور مسکراتے ہوئے حجاب اٹھایا''۔

اقبال کی فکری وتصوراتی کائنات کا مرکزی حوالہ صحیح معنوں میں انسان ہی ہے، بقیہ ان کے دیگر تصوراتِ خودی، عشق اور زماں ومکاں وغیرہ اس بنیادی محور کے تابع رہ کر اپنا کوئی مفہوم، جواز یا معنویت حاصل کر پاتے ہیں، اِن کی حیثیت اقبال کے نزدیک ان لازمانی اقدار کی ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان روحانی واخلاقی ارتقاء کے بلند بام تک پہونچنے کے لیے مدراج طے کرتا ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ جو انائے مطلق ہے،، اس سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ چونکہ خدا نے انسان کی تخلیق اپنے وجود سے نہیں، نیست سے کی ہے، انسان کا مُنتہا اور مقدر، وصال نہیں دائمی فراق ہے اور اِس طرح متوازی سطح پر خالق ومخلوق دونوں اناؤں کے وجود کا اثبات ہوتا ہے۔ اُن کا فلسفہ خودی انسان کو اس کی انسانیت کی معراج پر پہنچانے کی ایک کوشش ہے، وہ انسان کو اُس کے اصلی مقام سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ خودی کا فلسفہ دے کر اقبال نے دراصل انسان کی بزرگی اور

Scanned with CamScanner

برتری کے حامل عناصر جیسے اطاعت، خلافت اور ضبط نفس کو سامنے لایا ؂

برخیز کہ آدم را ہنگام نمود آمد

این مشت غبارے را انجم سجود آمد

اقبال کی فکر کا محور بھی ''انسان'' ہے اور یہ انسان اپنی عظمت کے ارتقا کا گواہ بننے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ انسان، یہ آدم جسے فرشتوں تک کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہی انسان اگر چاہے تو نائب خدا کے درجے پر پہنچ سکتا ہے اور مرد کامل بن سکتا ہے۔ جب ہم وسیع فکری و نظریاتی پس منظر میں اقبال کے تصور انسان کو ان کی شاعری کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ان کی فکر میں ایک استواری اور حکیمانہ تدبر کا سراغ ملتا ہے جس کے ارتعاشات ان کی تخلیقات میں ابتداء سے ہی نظر آنے لگتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے ابھی عظمتِ آدم کا یہ تصور کسی مخصوص فکری نظام، زاویے یا نظریے سے رنگین نہیں ہوا ہے۔ اس غیر مشروط صورت میں بھی جبکہ یہ انسان ہر سہارے سے بے نیاز ہے، کس طرح کائنات کی مزاحم قوتوں سے نبرد آزما ہے اور اپنی ہستی کا اثبات کرتا ہے۔ اقبال کی زبان سے ملاحظہ کیجیے۔ فرماتے ہیں ؂

اِس ذرے کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم

یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا صحرا ہے

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستان کی یہ ہستی دانا ہے، بینا ہے توانا ہے

Scanned with CamScanner

اقبال کے نظامِ فکر میں ایک حقیقی اور صحیح انسان کی وہی تصویر ہے جو انہوں نے اپنی شاندار ملّی تاریخ کے حسین اوراق میں دیکھی تھی۔ ایسے انسان جو روحانی تربیت سے شتربانی کے مقام سے جہانبانی کے منصب پر پہنچ گئے۔ اقبال انسان کی عظمت، اسکی تخلیقی صلاحیت، اسکی بے پناہ وسعت، اس کے نائب الٰہی ہونے کی اہلیت اور اس کی ستاروں کی گزرگاہوں سے چلنے کی طاقت کا قائل ہے لیکن پورے کلام اقبال میں موجودہ عہد کا انسان اپنی تمام انسانی قدروں کو روندکر آدم دری اور سوداگری کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ ''جاوید نامہ'' میں 'دراسرارِ شریعت' کے زیرِ عنوان عہدِ حاضر کی تہذیب کے پروردہ انسان کی تصویر کشی کرتے ہوئے اقبال حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

در نگاہش نا صواب آمد صواب
ترسد از ہنگامہ ہائے انقلاب

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد
آبروئے دخترِ مزدور خورو

در حضورش بندہ می نالد چونَے
بر لبِ او نالہ ہائے پے بہ پے

اُو ندا ند از حلال و از حرام
حکمتش خام است و کارش ناتمام

Scanned with CamScanner

شیوۂ تہذیبِ نَو آدم دری است

پردۂ آدم دری سوداگری است

آدمی اندر جہانِ خیر و شر

کم شناسد نفعِ خود را از ضَرر

اقبال اپنے گردو پیش کے سیاسی سماجی اور ثقافتی حالات کو دیکھ کر اکثر مغموم وملول رہا کرتے تھے۔ وہ رومؔی کے الفاظ میں انسانم آرزوست کی صدائے دردناک کا راگ الاپ رہے تھے ؎

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہر یاری

قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ اقبال نے انسان دوستی کا جو فلسفیانہ تصور پیش کیا ہے اس میں انھوں نے مشرق ومغرب کے متعدد مفکرین سے اثر قبول کیا ہے اور اپنے ہم عصروں کو متاثر بھی کیا ہے مگر ان کا عظمت بشر کا بنیادی نظریہ اسلام سے ماخوذ ہے۔ اسلام نے انسان کو تمام مخلوقات ناری و خاکی پر فضیلت دی۔ قرآن کی بنیادی تعلیم میں ایک یہ بھی ہے کہ انسان خلیفتہ اللہ علی الارض ہے۔ آدم کی نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔ وہ زمین پر خدا کا نائب ہے۔ خدا کا نور اس کے سینے میں ہے اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ ''گلشن راز جدید'' میں اقبال لکھتے ہیں: ؎

نشیمن را دل آدم نہاد است نصیب مشت خاکے اوفتاد است

Scanned with CamScanner

چراغ درمیانِ سفتہ تست

چہ نور است ایں کہ در آئینہ تست

مشو غافل کہ تو اُو را امینی

چہ نادانی کہ سوئے خود نہ بینی

علامہ اقبال کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے عظمت بشر کو روحانی بنیاد فراہم کی ۔انھوں نے انسانی عظمت کا وہ تصور پیش کیا جس پر فرشتے بھی رشک کرنے لگے۔اقبال نے انسان کے مرتبے کو آشکارا کر کے ماضی کے پردے میں مستقبل کی تصویر تیار کی اور قوم پر طاری مایوسی و افلاس کو دور کرنے کی کوشش کی ۔علامہ اقبال نے گونا گوں انسانی مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے انسان کے تمام درد کا درماں پیش کرنے کی کوشش کی ۔انھیں میں سے ایک درد مزدور اور دبے کچلے انسانوں کا ہے۔اسلام میں سماجی مساوات، رنگ ونسل کی بناپر تفریق نہ کرنا، عدل وانصاف پر زور، رزق حلال کی تلقین، منصفانہ معاشی ،نظام سرمایہ داری کی مخالفت، ذخیرہ اندوزی سے نفرت، انسانی فلاح و بہبود کی یہ تمام چیزیں عظمت آدم کے اعتراف میں ہیں۔علامہ اقبال نے احترام آدم کے تصور کوانھیں اسلامی انوار سے منور کیا ہے۔

تمیزِ بندہ و آقا فساد آدمیت است

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

اقبال ''قسمت نامہ سرمایہ و مزدور'' میں مزدور کا استحصال کرنے والے سرمایہ دار کی مکاری کو اس طرح طشت از بام کرتے ہیں۔

غوغائے کارخانۂ آہنگری زمن
گلبانگ ارغوان کلیسا ازان تو
نخلے کہ شہ خراج بردمی نہد زمن
باغ بہشت و سدرہ و طوبا ازان تو
تلخابہ کہ درد سر آرد ازان من
صہبائے پاک آدم و حوا ازان تو
مرغابی و تدرو کبوتر ازان من
ظل ہما و شہپر عنقا ازان تو

علامہ اقبال کے کلام میں سرمایہ و محنت کی آویزش سے پنپتا طبقاتی کشمکش کا اثر کافی گہرا ہے۔''خضرراہ'' میں اس کی مثالیں جگہ جگہ موجود ہیں'' زبور عجم'' کی نظم 'انقلاب اے انقلاب' بھی سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف ایک موثر احتجاج درج کراتی ہے۔

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب

Scanned with CamScanner

از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقان خراب

انقلاب انقلاب! اے انقلاب

پھر خدا کے حضور میں لینن کی زبانی شکایت کر بیٹھے ہیں: ؎

وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود

وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

اقبال کی شاعری میں ''سرمایہ دار کی گونا گوں چیرہ دستیوں، حق تلفیوں اور فریب کاریوں کے خلاف احتجاج بھی ہے اور حقوق مزدور کی منصفانہ حمایت و ترجمانی بھی، جاگیرداری اور ہوس زمین کی شدید مذمت بھی حامیانہ مزدور کے ولولہ انگیز نعرے بھی ہیں۔ ہمدردانہ محنت و مشقت کی پر خلوص دردمندانہ صدائیں بھی ہیں۔ انسانیت کے خفتہ و پسماندہ طبقوں کو اپنی جائز زندگی کی تحصیل و تسخیر کے لیے بیدار و مستعد ہونے کی تلقین بھی ہے اور اصلاح معاشیات کے لیے تعلیمات قرآنی پر عمل پیرا ہونے کی تاکید بھی''۔

اقبال کو نہایت گہری ہمدردی پسماندہ عوام کے ساتھ بھی ہے۔ انھیں دنیا کے تمام محنت کشوں سے محبت ہے۔ وہ ان کی مصیبتوں پر سخت رنجیدہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی انقلاب ایسا رونما ہو جو مزدوروں کو سماج میں ان کی حقیقی

Scanned with CamScanner

جگہ دلا دے۔ اقبال انسانی شرف و مساوات کے شدت کے ساتھ قائل ہیں۔ وہ معاشی بلندیوں اور پستیوں کو فطری جبر کہتے ہیں۔ لیکن اس کی بنا پر سماجی بلندی و پستی کو قطعی غلط اور مصنوعی قرار دیتے ہیں۔ اقبال کا مقصود یہ ہے کہ انسانی معاشرہ ایسی اخلاقی بنیادوں پر قائم ہو کہ مزدور کو بھی اپنی شخصیت کے ارتقا کے ویسے ہی مواقعے حاصل ہوں جیسے سرمایہ دار کو ہوں۔

آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے۔ غلامی انسانی زندگی اور معاشرے کے لیے سب سے بڑی لعنت ہے۔ غلامی جسم و جان کے ساتھ فکر و ضمیر کو بھی بے جان اور بے روح بنا دیتی ہے۔ علامہ نے غلامی کی مخالفت کرتے ہوئے اس پر شدید ضرب لگائی ہے، وہ آزادئ وطن کے ساتھ ساتھ انسان کی شخصی آزادی کی بھی بات کرتے ہیں ان کو یقین ہے کہ ایک بندۂ آزاد ہی انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تسخیر کائنات کرسکتا ہے۔ اقبال کی نظر میں جب انسان دوسروں کی غلامی کرتا ہے تو اس کے بدن سے روح رخصت ہو جاتی ہے اور وہ ایک مردہ لاش کی طرح رہ جاتا ہے جس سے کسی خیر کی امید نہیں رکھی جاسکتی ہے۔ اس کے دل سے ذوق ایجاد اور شوق نمود رخصت ہو جاتا ہے اور اسطرح وہ خود اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اگر ایک غلام آدمی حافظ قرآن بھی ہوگا پھر بھی اس سے لذتِ ایمان اور تلذذ ایقان کی امید نہیں رکھی جاسکتی ہے۔

در غلامی تن ز جان گردد تہی   از تن بے جان چہ امید بہی

ذوقِ ایجاد و نمود از دل رود
آدمی از خویشتن غافل رود

از غلامے لذتِ ایمان مجو
گرچہ باشند حافظ قرآن مجو

اقبال کے تصورات نہایت بلند اور عالم انسانیت پر محیط ہیں۔ انھوں نے مسلک انسانی کو آفاقی بنایا۔ وہ برصغیر کا پہلا شخص ہے جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ خدا و قضاء و قدر کے مقابلے میں انسان بھی اپنا ایک مقام رکھتا ہے اور دنیا کی تہذیب و آرائش میں انسانی ارادے اور کوشش کو بھی دخل ہے۔ خدا نے کائنات خلق کی اور طبیعیات پیدا کی مگر اس طبیعیات سے مابعد الطبیعیات خلق کرنے کا کارنامہ انسان نے انجام دیا۔ ''پیامِ مشرق'' میں شامل اقبال کی مختصر فارسی نظم ''محاورہ مابین خدا و انسان'' میں جب خدائے تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے:

جہاں را ز یک آب و گل آفریدم
تو ایران و تار تار و زنگ آفریدی

من از خاکِ پولاد و ناب آفریدم
تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدم نہال چمن را
قفس ساختی طائر نغمہ زن را

Scanned with CamScanner

حضرت انسان کی طرف سے اس کا جواب جس لہجے اور اسلوب میں دیا جاتا ہے اس سے پہلے شاید ہی کسی نے یہ لہجہ یا یہ اسلوب اختیار کرنے کی جرأت کی ہو۔

تو شب آفریدی، چراغ آفریدم
سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیاباں و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہرِ نوشینہ سازم

یہاں اقبال نے انسان کی تخلیقی قوتوں کے منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کو آمنے سامنے رکھ دیا ہے۔ خدا کی طرف سے کی جانے والی سرزنش میں کہا جارہا ہے کہ یہ دنیا آب وگل کے راز کی طرح دی گئی تھی مگر انسان نے اسے ملکوں اور قومیتوں میں تقسیم کر دیا، فولاد دیا گیا تھا جس سے تیر وتلوار پیڑوں کو کاٹنے والے آرے اور پرندوں کو قید کرنے والے قفس بنا لیے۔ اس کے جواب میں انسان کا یہ کہنا کہ تو نے رات بنائی تو میں نے چراغ بنایا، تو نے بیاباں اور کہسار بنائے تو میں نے باغ ترتیب دیے اور پتھر کو آئینے میں زہر سے آب حیات پیدا کیا، انسان کی جہاں بانی اور تہذیب سازی کی قوت شعری اثبات ہے۔

Scanned with CamScanner

اس دنیا کو آباد کرنے اور رونق بخشنے کا اہم کام انسان کا ہی کام ہے وہ اپنی جفا طلبی کی بدولت دکھ درد سہہ کر اس دنیا کو رشک جنت بنا رہا ہے۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں ۔

مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے   وہ دشت سادہ، وہ تیرا جہان بے بنیاد

غرض محبتِ انسانی احترامِ آدمی عظمتِ خاکی اور عروجِ آدم کے تصورات سے مملو کلامِ اقبال عالمگیر اہمیت اور معنویت کا حامل نظر آرہا ہے۔ علامہ اقبال نے انسان کے شعور ذات کو جس طرح بیدار کیا، کوئی اور نہ کر سکا۔ اپنی نغمہ سرائی کے ذریعے اس احساس کو لاشعور سے نکال کر شعور میں لے آئے پھر اپنے صوت سرمدی سے اس شعور کو پختہ کیا، یہی علامہ کی اولیت و اہمیت ہے۔ اقبال کو یقین تھا کہ انسان ایک دن ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اتنا بلند رتبہ حاصل کر لے گا کہ فرشتے بھی اُسے نہایت تعجب سے دیکھیں گے ۔

عروج آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

☆☆☆

Scanned with CamScanner